

موجودہ انتخابات و جماعت اسلامی

از جناب محمد عنایت اللہ صاحب دارنی

کچھ دنوں سے اخبارات میں مولانا مودودی صاحب کے اس مضمون کا تذکرہ ہو رہا ہے جو ایک سوال کے جواب میں سر روزہ گوشر "مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء" کے صفحہ ۳۰ پر شائع ہوا ہے۔ مولانا نے انتخابات کی شرکت اور رائے دہی کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:

”ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو، بہر حال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔ موجودہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے کہ یہ نظام حاکمیت جمہور پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں یہ اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے جس کے لیے کوئی بالاتر سند اس کو تسلیم نہیں۔ بخلاف اس کے ہمارے عقیدہ توحید کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز۔“

دور حاضر کے علماء حضرات، کانگریسی ہوں یا احراری، بریلوی ہوں یا دیوبندی، مختلف سیاسی نظریات رکھنے کے باوجود اسمبلیوں کے اشتراک و انسلاک میں متفق العمل ہیں۔ صاف انکار اور بائیکاٹ کی آواز پٹھان کوٹ کے سوا کہیں سے نہیں اٹھی اور وہ بھی اب تک محض ایک انکار ہے۔ ایک مسئلہ کی حیثیت سے یہ معاملہ تشنہ بحث ہے۔ سطور ذیل میں اجمالی طور پر اپنے تاثرات پیش کرتا ہوں، ممکن ہے

اہل علم اصحاب کی توجہ سے اس کے جزئیات دلیل و برہان کے ساتھ مزید روشنی میں آجائیں۔

اگر ممبران اسمبلی کو قانون سازی کا غیر مشروط حق حاصل ہے تو اس حق کا غیر مشروط ہونا ہی اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ یہ لوگ صحیح قانون مرتب کرنے میں آزاد ہیں۔ یعنی ان کو وہ اختیار حاصل ہوگا کہ ایسا قانون مرتب کریں جس میں "آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز" کیونکہ آخر زمین کے منہ پر خدا کے بندوں ہی کو خدائی قانون کی ذمہ داری کو انجام دینا ہے۔ اگر حکم و اختیار نیک بندوں کے ہاتھ میں آئے گا تو یقیناً خدا کی زمین پر نیکی کی اشاعت ہوگی اور برائی مٹتی جائے گی۔ اَللّٰہُ یُنِیْنُ اِنَّ مَکْتٰہُمْ فِی الْاٰخِرِ مِنْ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَتَوْا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔

لہذا اس مقصد اعلیٰ کے حاصل کرنے کے لیے ایجابی پہلو تو یہ ہو کہ ایسے لوگوں کے منتخب ہونے کی کوشش کی جائے جن پر رضائے الہی کے ماتحت کام کرنے کا گمان غالب ہو، اور سلبی پہلو یہ رہا کہ ایسے لوگوں کے اختیار و اقتدار میں شدید مزاحمت کی جائے جن کی نسبت اس کے برعکس چلنے کا خیال ہو۔ علیحدگی بائیکاٹ اور تعطل کا جواز کسی صورت میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر نیک لوگوں کے برسر اقتدار آنے میں تعاون دیا جائے تو تعاون علی البر کے خلاف ہے اور اگر خالی چھوڑ کر بروں کو موقع دیدیا جائے تو سکوت عن النجی کا جرم ثابت۔

ہاں اگر موجودہ جماعتوں میں کوئی جماعت تعاون کی مستحق اور اہل نہیں تو جماعت اسلامی کو میدان میں آنا چاہیے تاکہ یہ لوگ اپنا سارا زور اس اصول کے منوانے میں صرف کر دیں کہ حاکمیت صرف خدا کی ہو اور قانون سازی کتاب الہی کی سند پر مبنی ہو۔ تاہم اس سارے زور کے لیے بائیکاٹ اور تحجب کا میدان تلاش کرنا یقیناً وضاحت طلب ہے۔

اگر ہر معاملہ کو وقتی قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے ملحدہ رہنے کی تلقین کر دی جائے تو ایک ایسی دنیا مسلمانوں کے آباد ہونے کے لیے تلاش کرنا پڑے گی جو اس لیل و نہار اور وقت و زمان کی قیود سے ماو ہو۔ نیز یہ بھی خیال کرنا پڑے گا کہ کیا اسلامی نظام کی ہمہ گیری اس سے قاصر ہے کہ وقتی مسائل کو اپنے ابدی

”یہ طاقتیں تو تہذیب کی طرح ہیں کہ جو اس سے کام لے گا وہی کامیاب ہوگا، خواہ وہ ناپاک مقصد کے لیے کام لے یا پاک مقصد کے لیے۔ پاک مقصد والا اگر اپنے مقصد کی پکی کوئی بیٹھا رہے اور تہذیب استعمال نہ کرے تو یہ اس کا قصور ہے اور اس قصور کی سزا سے بھگتنی پڑے گی کیونکہ اس عالم اسباب میں خدا کی جبر سنت ہے اسے کسی کی خاطر نہیں بدلا جاسکتا۔“ رسالہ مذکور ص ۲

اب گذارش ہے کہ اسمبلی کی غیر مشروط قانون ساز قوت یا حکومت کے اختیار کی تہذیب کا قبضہ اگر آپ جیسے صحیح انجیال اصحاب کے ہاتھ میں آنے کا موقع مل سکتا ہے تو اسے مسترد کر دینے اور اس امکانی فوائد حاصل کرنے سے باز رہنے کے لیے وجہ جواز کیا ہے؟ مزاحمت باطل اور اعلیٰ حق کی مصائب سے عمدہ کنٹرول کش ہو کر گوشہ عافیت اختیار کرنے کی یہ ایک دانشمندانہ کوشش تو نہیں۔ اگر پاک جماعت اپنے پاک مقاصد کو لیے بیٹھی رہے اور ناپاک مقاصد رکھنے والے لوگوں کے لیے عمدہ جگہ چھوڑ دے اور نظام باطل کی گاڑی کے سامنے مزاحمت پیدا کرنے کی بجائے اس کے پیچھے اپنے آپ کو بے حس و حرکت باندھ دینا ہی دینداری اور خدمت اسلام یقین کر لے تو کیا اس عالم اسباب میں خدا کی سنت کے مطابق اس قصور کی سزا بھگتنی نہیں پڑے گی؟

یا تو نظام باطل سے کامل بے تعلقی عملاً حاصل ہو جائے اور مسلمان ایک خالص اسلامی ماحول پیدا کر لے، لیکن اگر یہ صورت ناممکن ہو جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر کوئی ناسلک ہے کہ وہ تعاون تو اضطراراً جائز رکھا جائے جس سے یہ نظام کا حقہ متمتع ہو کر بدن مضبوط سے مضبوط تر ہو رہا ہے، اور ان صورتوں سے اختیاراً دست کشی کر لی جائے جہاں کسی قدر اسلامی مفاد بھی حاصل کرنا متصور ہو۔ اگر اسم اور مستی میں کسی وجہ تسمیہ کا ہونا لازم ہے تو ایسی روش کو مسلک (چلنے کی راہ) کے بجائے بقول ”کوثر“ موقف (ٹھہرنے کی جگہ) کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

”کوثر“ کے اسی نمبر کے افتتاحیہ میں مولانا نصر اللہ خاں صاحب عزیز نے بھی اسی سلسلہ پر بحث فرمائی ہے جس کے مطالعہ سے اس سلسلہ میں اور بھی الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور جو بد و تعطل کا شائبہ یقین کی حد کو پہنچ جاتا ہے۔ آپ جہاد کے لیے دو شرطیں مقرر فرماتے ہیں۔ لکھا ہے:-

”اس کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ وہ باختیار امیر کی قیادت میں ہو۔ کسی دوسرے نظام قاهر و مسلط کے اندر رہتے ہوئے جہاں کسی باختیار امیر کا وجود ناممکن ہے قتال کرنا بداسنی اور فساد ہے جو جائز نہیں۔“

یہ حکم مزید توضیح کا محتاج نہیں۔ باختیار امیر کی قیادت کے بغیر جہاد فساد ہے اور امیر کا وجود کسی دوسرے قاهر و مسلط نظام کی موجودگی میں ناممکن ہے۔

اس شرط کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد نظام حقہ قائم ہونے کی صورت یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ قاهر و مسلط نظام کے ارکان خود بخود ہر بانی کر کے مسلمانوں پر سے اپنا قہر و تسلط اٹھالیں اور انھیں کامل آزاد ماحول میں چھوڑ کر ٹھنڈے ٹھنڈے کہیں سدھار جائیں تاکہ مسلمانوں کو ایک باختیار قیادت قائم کرنے کا شرعی حق حاصل ہو جائے۔ یہ غلط فہمی بات ہے کہ پھر جہاد کی ضرورت رہے یا نہ رہے۔ بہر حال جہاد حلال ہونے کی شرط یہی ہے۔

اگر یہ شرعی فتویٰ کسی غیر متقی کو شتبہ نظر آئے تو پھر سو اس کے چارہ کار نظر نہیں آتا کہ جس طرح نظام باطل کے منہ و مزامحت کے باوجود ایک غیر اسلامی ماحول میں دارالاسلام قائم کرنے کی کوشش مناسب و موزوں بلکہ ضروری نظر آتی ہے اور اس نظام کے پیدا کردہ تمام آلات و قویٰ سے کام لینا عین اسلام اور کام نہ لینا ہلاکت قرار دیا جاتا ہے، وہاں اسمبلیوں سے اپنا حصہ حاصل کرنا اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنا ہی تقاضائے عقل و انصاف ہے۔

مسلم لیگ کی پیدا کردہ موجودہ فضا اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ اگر دیہات کے ناخواندہ زمینداروں کے سامنے جو آج تک ذات پات کی عصبیت میں اعراب عرب سے کسی حالت میں کم نہیں تھے ایک طرف کوئی غیر مشرع نواب ہوتا اور دوسری طرف ایک عالم دین تو یقیناً وہ عالم دین کو کامیاب کر کے چھوڑتے۔ اس نادر موقع سے فائدہ نہ اٹھانے اور عوام کو مذہبی قیادت سے محروم رکھنے کی ذمہ داری

لے ترجمان القرآن :- یہ محض ایک خط بحث ہے۔ مدیر کوثر نے اس موقع پر جس بناو سے بحث کی ہے وہ جہاد بالسیف

وہ جہاد جو جدوجہد کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اس دوسری قسم کے جہاد کے لیے باختیار امیر کی شرط کا کوئی بھی قائل نہیں۔

صرف ان لوگوں پر ہے جو محض اپنے آرام کی خاطر علما کو بائیکاٹ کا شورہ دے رہے ہیں۔
یوسف صدیق علیہ السلام نے اِجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْاَرْضِ کا مطالبہ کر کے غیر اسلامی حکومت کے ایک شعبہ کو ماتھے میں لیا اور بہترین انتظام کر کے دنیا کو ہلاکت سے بچایا۔
موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے اَنْ اَدْوَا اِنِّیْ عِبَادَ اللّٰہِ اور اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْ اِمْرَئِیْلَ کے مسلسل مطالبات کر کے ایک غیر مذہب اور غیر صالح بھیڑ کو اسی ملک کے ایک حصہ میں رکھ کر اصلاح و تہذیب کی کوشش کی۔

مریض کی صحت انھیں اخلاط کی تبدیلی پر منحصر ہے جو مریض کے وجود کے اندر موجود ہیں۔
ہمسائے کے گھر میں خواہ کسی قدر بہترین اور قیمتی ادویات کا انبار عمدہ سے عمدہ قرینہ اور ترتیب ہی سے کیوں نہ لگا دیا جائے دوسرے گھر والامریض صحت یاب نہیں ہو سکتا۔

جواب

یہ معنون دراصل متعدد مناظروں یا غلط فہمیوں کا مجموعہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کر کے یہاں ہم صرف تین بڑی اور بنیادی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔
(۱) صاحبِ معنوں کی پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ اگر ممبرانِ اسمبلی کو قانون سازی کا غیر مشروط حق حاصل ہے تو اس حق کا غیر مشروط ہونا ہی اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ یہ لوگ صحیح قانون مرتب کرنے میں آزاد ہیں، یعنی ان کو اختیار حاصل ہوگا کہ ایسا قانون مرتب کریں جس میں آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے۔ بظاہر یہ بات بڑی معقول معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی تھوڑی سی تحلیل کرنے سے ہی یہ حقیقت باسانی کھل جاتی ہے کہ یہ منطایا غلط فہمی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ آزادی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان کو یا انسان کے کسی گروہ کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل ہو اور دوسرا مفہوم یہ کہ کوئی انسان یا انسانوں کا کوئی گروہ اپنا یہ اصول قرار دے اور اس نظریے پر کاربند ہو کہ وہ اپنے عمل میں خود مختار ہے اور خود اپنی خواہش اور صوابدید کے سوا کسی آسمانی ہدایت سے امر و نہی